Dareecha-e-Tahqeeq
دریچۂ تحقیق
ISSN PRINT 2958-0005 ISSN Online 2790-9972
VOL 5, Issue 2
www.dareechaetahqeeq.com dareecha.tahqeeq@gmail.com

ڈاکٹر نائلہ عبدالکریم

اسسٹنٹ پروفیسر ڈیپارٹمنٹ آف اردو، یونیورسٹی آف میانوالی، میانوالی۔

ڈاکٹر قمر عباس

لیکچرار اقبالیات شعبہ اقبال سٹڈیز اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور

سائرہ بانو

پی ایچ ڈی سکالر، نیشنل کالج آف بزنس ایڈمنسٹریشن اینڈ اکنامکس لاہور (ملتان سب کیمپس)

اردو زبان و ادب پر نوآبادیات کے اثرات کا جائزہ

Dr. Naila Abdul Karim
Assistant professor,Department of Urdu, university of Mianwali,Mianwali.
Dr. Qamar Abbas
Lecturer Iqbal Studies Department of Iqbal Studies The Islamia University of Bahawalpur
Saira Bano
ph.D scholar , National College of Business Administration and Economics Lahore sub campus Multan

A review of the effects of colonialism on Urdu language and literature.

Abstract:
The settler made the people of the subcontinent believe that the best language is only English. Only its speakers can be civilized۔ The settlers introduced the English language in Bar-e-Sagheer under a special thought and concern. Even the rest of the languages came to be despised and their speakers looked withevil down upon,۔ here the dual system of education started in the subcontinent. And two classes were born. One was the English-reading class and the other was the class learning in local languages۔ And the English-reading class started to be honored. In this paper, apart from the language and literature, the motivations due to which the Urdu education system did not get the importance, it needed for the development of the subcontinent's culture have been examined.

Key words: Definition of language, importance and impact of colonialism on Urdu language and literature۔

نوآبادکار نے برصغیر کی عوام کو یہ باور کروایا۔ کہ افضل ترین زبان صرف اور صرف انگریزی ہے۔اس کے بولنے والے ہی تہذیب یافتہ ہو سکتے ہیں- نوآبادکار نے ایک خاص سوچ اور فکر کے تحت انگریزی زبان کو برِصغیر میں رائج کیا۔ یہاں تک کہ باقی زبانوں کو حقیر اور ان کے بولنے والوں کو کم تر سمجھا جانے لگا- یہیں سے برصغیر میں دوہرا نظام تعلیم شروع ہوا۔ اور دو طبقے پیدا ہوئے۔ایک انگریزی پڑھنے والا طبقہ تھا-اور دوسرا مقامی زبانوں میں سیکھنے والا طبقہ تھا۔ اور انگریزی پڑھنے والے طبقے کو ہی نوازا جانے لگا۔اس مقالے میں زبان و ادب کی تعریف کے علاوہ ان محرکات کو دیکھا گیا- جن کی وجہ سے اردو نظامِ تعلیم کو وہ اہمیت نہ ملی۔جو برِصغیر کی ثقافت کے فروغ کے لیے ضروری تھی-زبان ذریعہ ہے اپنے خیالات و احساسات کو دوسروں تک پہنچانے اور دوسروں کے خیالات و دلی جذبات کو سمجھنے کا۔۔ ہماری آپس کی بات چیت ہی ہماری زبان ہے۔ بات چیت یا جو کچھ

ہم بولتے ہیں اور سنتے ہیں یہی ہماری زبان کی پہلی صورت ہے۔ دوسری صورت وہ ہے جو ہم تحریر میں لاتے اور پڑھتے ہیں۔ ان اصول و قواعد کی ٹھیک ڈھنگ سے پابندی لازم ہوتی ہے۔(01) انسان نے اپنی طویل تاریخ میں جو اکتسابات کیئے ہیں ان میں انتہائی بیش بہا زبان ہے۔ زبان زندگی کے لیے ناگزیر تو نہیں لیکن انسان سے اس کی وابستگی کچھ اتنی زیادہ ہو چکی ہے۔ کہ دوسری مخلوقات سے ممتاز کرنے کیلیئے انسان کو حیوانِ ناطق بھی کہا جاتا ہے۔ سماجی رشتے زبان کے ذریعے مستحکم ہوتے ہیں۔" ذہنی و تہذیبی اور اخلاقی و روحانی ورثے اسی کے مرہون منت ہیں۔ تمام علوم اسی کے سہارے وجود میں آتے رہتے ہیں۔ تعلیم و تربیت کا ذریعہ بھی وہی بنتی ہے۔ ہم لفظ زبان استعمال کرتے وقت یہ تصور کر لیتے ہیں کہ اس کے مفہوم کا غیر مبہم اور واضح تصور اور زبان کی حقیقت و ماہیت ہمارے ذہن میں موجود ہے لیکن جب زبان کی تعریف کرنے کی کوشش کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ دوسرے علوم کے بنیادی تصورات کی طرح زبان کلمہ وغیرہ جیسی اصطلاحوں کی مکمل تعریف کی ہے کہ جیسے نور الحسن نیر کا کوروی مولف نور اللغات کے مطابق۔ (02) زبان کو ایسی بولی قرار دیتے ہیں۔ جس کے ذریعے سے انسان دل کی بات کر سکے۔(03) دنیا بھر میں ان گنت زبانیں بولی جاتی ہیں بہتوں کا تو ہمیں علم ہی نہیں۔ نہ جانے کتنی زبانیں قعر گم نامی میں کھو چکی ہیں (04) اردو دنیا کی ایک ایسی زبان ہے جسے کسی نہ کسی صورت اپنوں، بیگانوں نے نقصان پہنچانے کی کوشش کی۔ اس کی تاریخ نے بہت سوں کو بھول بھلیوں میں بھٹکایا (05) شمس الرحمن فاروقی کے مطابق

"ہم لوگ اس بات کو بھول جاتے ہیں۔ کہ جس زبان کو آج ہم اردو کہتے ہیں۔ پرانے زمانے میں اسی زبان کو ہندوی، ہندی، دہلوی، گجری، دکنی اور پھر ریختہ کہا گیا ہے"۔(6)

انگریزوں نے اس زبان کے لیے اپنی ایجاد یا پسند کے نام استعمال کیے۔ جہانگیر کے دربار میں جیمز اول کے ایلچی سر ٹامس کے ساتھی ایڈورڈ ٹیری نے اپنی کتاب A voyage to east india

(لندن 1655) میں اس زبان کو اندوستان کے نام سے یاد کیا انگریزوں نے اور نام جو اس زبان کے لیے استعمال کیے ہیں۔ ان میں

hindoostanee ' hindoostanic'indostans Moors'moors

کے علاوہ کوئی نام بھی کبھی کسی اردو بولنے والے نے نہ ہی استعمال کیا اور نہ ہی اس سے کبھی آشنا رہا یہ سب نام انگریزوں نے اپنی لاعلمی یا سیاسی ضرورتوں کے باعث ایجاد کیے تھے اردو نو آبادیاتی سامراجی مصلحتوں کے زیر اثر انگریزوں کی سیاسی تشکیلات کا شکار رہے اور پھر جدید ہندوستان میں ہندوستانی (ہندو) شخص کے بارے میں سیاسی اور جذباتی تصورات کی دنیا میں داخل ہو گیا (7) سید سلیمان ندوی نقوشِ سلیمانی"، میں کہتے ہیں

"اردو زبان کا پیدا ہونا کسی ایک قوم یا قوت کا نہیں بلکہ مختلف قوموں اور زبانوں کے میل جول کا ایک ناگزیر اور لازمی نتیجہ ہے اور اس کا پیدا ہونا ضروری اور مجبوراً تھا بر صغیر میں داخل ہوتے ہی انگریزی سامراج نے اس بات کو شدت سے محسوس کیا۔ کہ یہاں کے عوام سے بات چیت کرنے کے لیے ضروری ھے۔ کہ اس کی زبان سیکھی اور سمجھی جائے" (8)

"اردو زبان بر صغیر میں آخر سامراج کا اقتدار کیسے قائم ہو گیا اور اس سامراجی اقتدار نے اردو زبان و ادب پر کیسے اثرات مرتب کیے۔ یقیناً ہر زبان کا اپنا ایک ادب ہوتا ہے جو ایک خاص قسم کے تحریر اسلوب زبان اور مواد پر مبنی ہوتا ہے۔ ادب و غیر ادب میں واضح فرق نظر آتا ہے۔ ادب کے ایک لغوی معنی تہذیب اور شائستگی کے ہیں۔ چناچہ ایسی تحریر جس میں تہذیب اور شائستگی کا اظہار ہو وہ ادب میں شمار کی جاتی ہے۔ ادب کی تعریف اس طرح بھی کی جاسکتی ہے وہ تحریر جو تخلیقی جوہر سے آراستہ ہو ادب کی حیثیت سے شناخت کی جا سکتی ہے۔(09) مجنوں گورکھپوری کے بقول

ادب انسان کے بہترین خیالات وجذبات کے اظہار کا نام ہے۔ اور انسان کے خیالات وجذبات خلاء میں پیدا نہیں ہوتے بلکہ ایک خاص تہذیب اور ایک خاص ماحول کی پیداوار ہوتے ہیں۔"(10)"

انسان کی زندگی اور زمانے کے ساتھ ساتھ ادب بھی بدلتا ہے یا ترقی کرتا رہتا ہے مطلب یہ کہ ادب میں بھی زندگی کے آثار ملتے ہیں۔ اگر ادب میں وقت اور زمانے کے ساتھ تبدیلی نہ آئے تو اسکا زندہ رہنا محال ہو جاتا ہے یہی کیفیت زبان کی بھی ہے کہ صرف وہی زبانیں زندہ رہتی ہیں جو زمانے کے ساتھ ساتھ اپنے آپ میں ترمیم و تبدیلی کی گنجائش رکھتی ہیں۔(11) مسلمانوں کے عہد تک پورے برصغیر کی تہذیبی و ثقافتی اور سرکاری و عدالتی زبان فارسی تھی۔ فارسی ایک ایسے رابطے کی زبان تھی۔ جس کے ذریعے مسلمان اپنے اندر ملی وحدت کو کسی نہ کسی طور پر برقرار رکھ سکتے تھے۔ اور بعض مسائل کا حل تلاش کر سکتے تھے۔ لیکن انگریزوں کا مقصد چونکہ مسلمانوں کو سماجی اور اقتصادی طور پر کمزور

ترک کرکے ان کی انفرادیت واجتماعیت کو ہر طرح ختم کرنا تھا۔اس لیے دیسی زبان کو فروغ دینے کے بہانے 1837 میں فارسی کو ہٹا کر اردو کو سرکاری زبان بنانے کا اعلان کیا گیا۔یہ محض شعبدہ تھا۔اور اس کا مقصد مسلمانوں کی اس ناراضگی کا سدباب کرنا تھا۔جو فارسی کو ختم کرنے سے پیدا ہو سکتی تھی۔اس لیے کہ جس وقت یہ حکم جاری ہوا اسی وقت میکالے کی وہ تعلیمی یاداشت منظر عام پر آئی۔جس میں کہا گیا تھا۔کہ ہندوستان میں ساری تعلیم انگریزی میں ہونی چاہیے۔اور جس کا مقصد ایک ایسا طبقہ پیدا کرنا تھا۔جو خون اور رنگ کے اعتبار سے تو ہندوستانی ہو لیکن ذوق، فکر و نظر اور اخلاق وحکمت ودانش کے اعتبار سے انگریز ہو۔(12)ڈاکٹر فرمان فتح پوری کے مطابق

"مسلمانوں کی بربادی میں جو تھوڑی بہت کسر باقی تھی۔وہ 1857 کے ہنگامے نے پوری کردی۔مسلمان چونکہ اورنگزیب سے لے کر ٹیپو سلطان تک، برابر انگریزوں کو ہندوستان سے نکال باہر کرنے کی کوشش کرتے رہے۔اور 1857 کی جنگ آزادی میں بھی وہ آگے تھے۔اس لیے انگریزوں نے سارا غصہ انہیں پر اتارا۔ملازمت، تجارت، تعلیم، صنعت وحرفت اور معاش کے سارے دروازے ان پر ایک ایک کرکے بند کردیے گئے۔ہندوستان میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے بجائے، براہ راست تاج برطانیہ کا راج قائم ہو گیا۔"(13)

زبان ملک کی گزشتہ تاریخ بتاتی ہے۔ایسی تحقیقات بلاشبہ ہمارے دائرہ عمل سے خارج ہیں۔لیکن اگرچہ رتبہ میں کم۔مگر دلچسپی میں برابر وہ تحقیقات ہیں۔جو ایک معمولی کتابِ لغت کی مدد سے ہم کسی ملک کی گزشتہ تاریخ میں۔اس کے باشندوں کی موجودہ زبان کی شہادت پر کر سکتے ہیں۔آپ کو خوب معلوم ہے۔کہ علمِ طبقات الارض کا ماہر کس طرح مختلف طبقاتِ اولین، دائمی اور سوئمی۔یکے بعد دیگرے نظر آنے والوں سے کسی حصہ ملک کے متواتر طبعی تغیرات کا پتہ لگا سکتا ہے۔اور اسے یہ موقع حاصل ہوتا ہے۔کہ گویا ان تغیرات کا وہ اپنی آنکھوں سے ملاحظہ کر رہا ہے۔اور ان کے پیدا کرنے میں جو طاقتیں کام کرتی تھیں۔ان سے وہ اندازہ ہوتا ہے اور قریب قریب کی تاریخ بھی بتائی جا سکتی ہے۔اردو جیسی مرکب زبان کو سامنے رکھ کر۔جس میں بڑے بڑے تغیرات اور انقلابات کے نقوش نمایاں ہیں۔ہم اس ماہر کی طرح اخلاقی اور تاریخی تحقیقات کر سکتے ہیں۔یہاں بھی اس طرح طبقات ہیں۔کنکر، کھریا مٹی، ریت اور چونے کے ہیں۔بلکہ ہندی، فارسی، عربی، ترکی اور انگریزی الفاظ کے۔اور ساتھ اس کے دوسری زبانوں کا دخل نظر آئے گا۔اور اگر کوئی شخص زبان کو غور وفکر کی نگاہ سے دیکھنے میں مہارت رکھتا ہوگا۔تو وہ اس زبان کے پالنے والوں کی تاریخ از سرِ نو ملاحظہ کرے گا۔ان پالنے والوں کے ان کی نظروں کے سامنے پھر جائینگے۔انکی مقدار جانچی جائے گی۔اور سرزمینِ ہند پر ان کے گزرنے کا سلسلہ اسے معلوم ہو جائے گا۔(14)اصل میں ہندوستانی زبانیں ہندوستان میں مرکزی حیثیت کی حامل تھیں۔نوآبادکار کو بخوبی اندازہ تھا۔کہ زبان کے مخصوص حصے تک رسائی سے ہم ۔برِصغیر کے ثقافتی منصوبوں سے آگاہ نہیں ہو سکتے۔اور جب زبان کو ثقافتی تصور کے تناظر میں سیکھا جاتا ہے۔تو زبان صرف روزمرہ محاورہ اور اظہار ابلاغ تک محدود نہیں ہوتی۔بلکہ اس میں باقاعدہ علامتیں موجود ہوتی ہیں۔جن سے کسی سماج کے بنیادی عناصر کی آگاہی حاصل ہوتی ہے۔یقیناً برطانوی سامراج کو بھی ان رکاوٹوں کا سامنا تھا۔جو کسی سماج کو سمجھنے میں راستے کا پتھر ہیں۔اور انھیں علامتی رکاوٹوں نے انھیں اس بات کا احساس دلایا کہ وہ زبان کے علامتی اظہار سے بخوبی واقف ہوں۔یہ وہ تصورات تھے۔جو نوآبادکاروں کے پیش نظر تھے۔(14) برصغیر کے عوام کی بے بسی کا حل کچھ یوں مقالات سرسید میں بیان کیا گیا ہے۔

"جو شخص اپنی قومی ہمدردی سے اور دوراندیش عقل سے غور کرے گا۔وہ جانے گا کہ ہندوستان کی ترقی کیا علمی اور کیا اخلاقی۔صرف مغربی علوم میں اعلیٰ درجے کی ترقی حاصل کرنے پر منحصر ہے۔اگر ہم اپنی اصل ترقی چاہتے ہیں۔تو ہمارا فرض ہے۔کہ ہم اپنی مادری زبان تک کو بھول جائیں۔تمام مشرقی علوم کو نسیا منسیا کردیں۔ہماری زبان یورپ کی اعلیٰ زبانوں میں سے انگلش یا فرنچ ہو جائے۔"(15)،

چنانچہ زبان علامتی تصور میں زبان کے تمام گفتاری اور تحریری متون کا علم حاصل کرکے معاصرانہ ثقافت دستاویزی عناصر اور علامتی اسلوب تک رسائی کو ممکن بنانا ہوتا ہے۔اور زبان کے لسانی تصور سے زبان کے تمام مرکزی نظام کا مطالعہ کرنا مراد تھا۔چناچہ جامعہ عثمانیہ ہندوستان میں پہلی یونیورسٹی تھی۔جس میں ابتدا سے انتہا تک ذریعہ تعلیم ایک دیسی زبان ہوگی۔اور یہ زبان اردو ہوگی۔ایک ایسا ملک جہاں بھانت بھانت کی بولیاں بولی جاتی ہیں۔صرف اردو ہی ایک عام اور مشترک زبان ہو سکتی۔(16)بقول جان رچرڈ گریرسن:

"جب تعلیم کا ذریعہ اردو قرار دیا گیا۔تو یہ کھلا اعتراض تھا۔کہ اردو میں اعلی تعلیم کے لیے کتابوں کا ذخیرہ کہاں ہے۔اور ساتھ ہی یہ بھی کہا جاتا تھا۔کہ اردو میں یہ صلاحیت ہی نہیں کہ اس میں علوم وفنون کی اعلی تعلیم ہو سکے۔"(17)"

دراصل ہم لارڈ میکالے کے ان تعلیمی نظریات کو ہرگز فراموش نہیں کر سکتے۔ جن کا مقصد اردو زبان وادب کو کم تر ثابت کرنا تھا۔ ان لوگوں نے مشرقی علوم اور زبانیں پڑھنے والوں کے لیے رزق کے تمام دروازے بند کر کے صرف ان طالب علموں کے لیے روٹی اور عزت کے مواقع مخصوص کر دیے جو انگریزی پڑھیں۔ بقول لارڈ میکالے۔

"جب ہمیں ایک زبان کی تعلیم دینے کا اختیار حاصل ہے۔ تو کیا پھر بھی ہم ان زبانوں کی تعلیم دیں گے۔ جن میں مسلمہ طور پر کسی موضوع سے متعلق بھی کوئی قابلِ قدر کتاب نہیں ملتی۔ جسے ہماری زبان کے مقابلے میں پیش کیا جا سکتا ہو"(18)

مقتدر طبقات اور طاقتیں نظم ونسق کے لیے محض عملی اقدامات نہیں کرتیں بلکہ بعض دینی اور نفسیاتی اقدامات بھی کرتی ہیں۔ اور ایک ایسی عمرانی فضا تشکیل دی جاتی ہے۔ کہ محکوم افراد خدمات بھی انجام دیتے ہیں اور اس حقیقت کو بھی اپنے اذہان اور قلوب میں بٹھا لیتے ہیں۔ کہ ہمارے حکمران ہمارے لیے وسیلہ نجات ورحمت ہیں۔(19) تو نوآبادیاتی کا سادہ لفظ اپنے اندر گہرے نتائج کا منصوبہ رکھتا ہے۔ یہ خود ساختہ یا کوئی بنا بنایا منصوبہ نہیں تھا بلکہ ایسے منصوبوں میں نتائج کی جمع وتفریق پہلے کی جاتی ہے۔ اور زبان ہی ایسے منصوبوں کا پہلا ہدف ہوتی ہے۔ زبان کو زبان بنانے کے لیے کم وبیش تین چیزوں کی ضرورت ہے۔

اول: اصول لغت کی تدوین

دوم: علمی تصنیفات

سوم: تراجم

انگریزی سامراج کی ضرورت کے پیش نظر سب سے پہلے جان گلکرسٹ نے قواعد اردو لکھی۔ اسی زمانے میں سید انشا نے بھی اردو کے قواعد لکھے۔ سرکاری مدارس اور انگریز افسران کی تعلیم کے لیے متعدد رسالے لکھے۔ مولوی فتح محمد جالندھری اور مولوی عبدالحق کی قواعد اردو بھی قابل قدر ہے مولوی سید احمد دہلوی کی فرہنگِ آصفیہ کامل لغت ہے۔(20) "قواعد اردو" میں ڈاکٹر گلکرسٹ کے حوالے سے لکھا گیا۔ کہ

"ڈاکٹر صاحب نے اردو کی خدمت کا کام 1787 میں شروع کیا۔ اور فورٹ ولیم کالج اردو
اردو زبان کی تالیف وتصنیف کا مرکز انیسویں صدی کے ابتدائی دس سال تک رہا۔ اگرچہ
اصل مقصد اس کا یہ تھا۔ کہ ایسٹ انڈیا کمپنی میں جو انگریز ملازم ہو کر آئے تھے۔ ان کو
اردو سکھانے کے لیے مناسب کتابیں لکھوائی جاتیں تاکہ وہ آسانی سے ملک کی اس زبان
کو جو ہر جگہ بولی یا سمجھی جاتی ہے۔ سیکھ لیں لیکن اس پردے میں بعض بے مثل کتابیں
لکھی گئیں۔ اور آئندہ اس ڈھنگ کی تالیفات کا سلسلہ جاری ہو گیا۔" (21)

ہندوستان میں ایسٹ انڈیا کمپنی کی تجارت مستحکم بنیادوں پر قائم ہو گئی۔ تو انگریز کمپنی نے تجارتی اور حکومتی اغراض کے لیے اپنے ملازمین کو ہندوستانی زبانوں سے واقف کروانا ضروری سمجھا۔ کیونکہ اس وقت کمپنی میں حکومت کے خواہشمند افراد جو ہندوستان پہنچ رہے تھے وہ مقامی زبانوں اور ہندوستانی تہذیب وتمدن سے بلکل بیگانہ ہوتے تھے۔ ان کی تعلیم وتربیت کے لیے انگلستان یا ہندوستان میں کوئی انتظام نہ تھا۔ (22) صدیق الرحمن قدوائی کے مطابق

" This culture gap between the two nationals had to be filled with tolerance forbearance and patience. Any other way of tackling. The problems it raised would damage Their interests to an incalculable degree"(23)

In the works of Gilchrist’s, we find tendency to record as many 'equivalents' of an English word as possible. While he was quite successful in collecting a large number of Hindustani vocables, he often failed to discriminate between Precise Literal meanings and virtual or metaphorical usages. Anyone Who seeks guidance from his dictionary would find himself completely lost in a

chaos. The meanings of the word "Prejudice", on which he spent so much time, are good examples:۔

اعتقاد، تعصب، بدگمانی، بدزبانی، مفرت ضرر، نقصان، طرفداری، رغبت، حسن ظن، عقیدہ، عقدہ، گرہ، کھرچی، گانٹھ، گھاٹا، دغدغہ، خلش، اینٹھ_

Similarly, while giving the meanings of "Abuse "Gilchrist included the following words as Hindustani equivalents"

لام کاف، بدسلوکی، بے ادائی، پھکڑ، افترا، ملنک، طوفانی

And against the word"poem"are given the following meanings.

قطعہ بند، ریختہ، مثنوی، قصیدہ، غزل، واسوز، سوز وگداز، پند، پد، ترجیع بند،(24) فرانز فینن کے مطابق

"وہ علاقہ جہاں مقامی باشندے رہتے ہیں۔نو آبادکاروں کے علاقے رہائش سے ملحق نہیں ہوتے۔ یہ دونوں علاقے ایک دوسرے کی ضد ہوتے ہیں۔ان میں کوئی قدر منتشر کے دریافت کرنا ممکن نہیں۔کہ ان دونوں اصطلاحوں میں ایک فاضل ہے"(25)

دراصل نوآبادکار کا شہر پتھر اور فولاد سے بنا ہوا مضبوط شہر ہوتا۔ ہے یہ جگمگ کرتی روشنیوں کا شہر ہوتا ہے۔ سڑکیں پختہ ہوتی ہیں۔ جگہ جگہ کوڑے کی ٹوکریاں کوڑے کرکٹ کو اس طرح نگل لیتی ہیں کہ نہ تو انہیں کوئی دیکھتا ہے۔نہ جانتا ہے ۔ نوآبادکار کے پاؤں کبھی دکھائی نہیں دیتے۔ماسوا سمندر میں نہاتے وقت۔ لیکن آپ ان کے قریب بھی تو نہیں ہوتے کہ پاؤں دیکھ سکیں۔اس کے پیروں کی حفاظت مضبوط جوتے کرتے ہیں حالانکہ اس میں شہر کی سڑکیں صاف وشفاف اور ہموار ہوتی ہیں۔ جن میں نہ کوئی پتھر ہوتا ہے۔اور نہ وہ شکستہ ہوتی ہیں۔ نوآبادکار کا شہر شکم سیر اور آسودہ حال ہوتا ہے۔اس کے شکم میں ہمیشہ اچھی چیزیں بھری ہوئی ہیں۔ نوآبادکار کا شہر سفید نام لوگوں کا، بیرونی افراد کا شہر ہوتا ہے (26)۔1844۔میں برطانوی استعمار نے فیصلہ کیا کہ۔۔۔

سرکاری ملازمت صرف ان لوگوں کو ملے گی جو انگریزی جانتے ہیں جلد ہی اس بات کا نقاب اترا کہ ہندوستان کو مہذب اور جدید بنانے کی کوشش کی جارہی ہے۔ دراصل اس سارے منصوبے کے پس پردہ انگریزی کی طاقت اور تسلط قائم کرنا تھا۔ گویا انگریزی لسانی استعماریات کا استعارہ بنی۔انگریزی کو ریاست کی تعلیمی امور کی زبان بنایا گیا۔(27) نو آبادکار کے برصغیر پر اپنی اجارہ داری رکھنے کے لیے چار بڑے منصوبے تھے۔

سیاست۔سماج۔ثقافت اور تعلیم

لہذا نوآبادکاروں نے یہ محسوس کیا کہ اگر ہم اردو نہ سیکھ پائے۔تو ہندوستان کی جڑوں تک پہنچنا ناممکن ہے۔اور اس زبان سے لاعلمی کی بناپر ہم ہندوستان کی ثقافت، سیاست سماج اور تعلیمی منصوبوں سے بے بہرہ رہیں گے۔ اگر سامراج برصغیر میں مکمل تبدیلی لانا چاہتے ہیں۔ تو پھر مقامی آبادی سے واقفیت حاصل کرکے طاقت کا حصول ممکن بنانا ہوگا۔اور اس کے لیے ڈسکورس ہی ایک اہم کلیہ ہے۔ڈسکورس کے حوالے سے مشل فوکو کا کہنا ہے

"اقتدار کا تعلق نہ معاشیات سے ہے نہ کسی دباؤ ڈالنے والی قوت سے بلکہ طاقت کا تعلق جنگ سے ہے۔ ایک جنگ اعلان کے ساتھ ہوتی ہے اور ایک جنگ بغیر کسی اعلان کے ہوتی ہے مختلف سماجی اداروں میں ناانصافیوں کی صورت میں جنگ تو ہوتی ہی رہتی ہے یہاں تک کہ زبان میں بھی یہ جنگ جاری رہتی ہے۔ یہ جنگ قوت کے ٹکرانے سے پیدا ہوتی ہے .یہ قوت تخلیق بھی کرتی ہے اور دباتی بھی ہے"۔(28)"

مقامی باشندوں کا شہر, یا کم از کم مقامی شہر, حبشیوں کا گاوں مدینہ, مقامی لوگوں کا مخصوص علاقہ, ایک بدنام مقام ہوتا ہے. جس میں بدقماش لوگ رہائش رکھتے ہیں. وہ وہاں پیدا ہوتے ہیں. کیسے اور کہاں یہ بات بے محل ہے اور وہیں مر جاتے ہیں کیسے اور کہاں یہ پوچھنے کی گنجائش نہیں. یہ ایک ایسی دنیا ہوتی ہے جس میں طول وعرض نہیں ہوتے. لوگ ایک کے اوپر ایک رہتے ہیں. مقامی باشندہ جس نگاہ سے نوآبادکاروں کے شہر کو دیکھتا ہے. وہ حرص اور حسد کی نگاہ ہوتی ہے. اس نگاہ میں اس کی ملکیت کے خواب ہوتے ہیں. ہر قسم کی ملکیت کے خواب یعنی نوآبادکاروں کی میز پر کھانا کھانے کے خواب, نوآبادکار کے بستر پر سونے کے خواب اور اگر ممکن ہو تو اس کی بیوی کے ساتھ۔(29).

اس صورت حال کے حوالے سے ملک راج آنند کا ناول "اچھوت ہے جس میں باکھا نامی کردار یورپ کے لوگوں کی سی زندگی بسر کرنے کا خواب دیکھتا ہے اور اس خواہش کی تکمیل کے لیے خود کو بھول جاتا ہے. وہ انگریزوں کا سا حلیہ بنانا چاہتا تاکہ وہ انگریزوں کا پسندیدہ بن جائے. باکھا کے بارے میں راج آنند لکھتے ہیں۔

"کروٹ لیتے ہوئے باکھا کانپ گیا۔ لیکن اس نے ٹھنڈ کی پروا نہیں کی۔ اور اسے خوشی سے برداشت کرتا رہا۔ کیونکہ وہ اس کی خاطر جسے وہ فیشن کہا کرتا تھا۔ بہت سے آراموں کو قربان کر سکتا تھا۔ فیشن سے اس کا مطلب پتلون، برجیس، کوٹ، پٹی اور بوٹ پہننا تھا۔ کہ ہندوستان میں انگریز اور ہندوستانی فوجی پہنتے تھے"۔(30)"

مقامی باشندہ بہت حاسد ہوتا ہے اور نوآبادکار اس حقیقت کو خوب جانتا ہے. جب دونوں کی نگاہیں چار ہوتی ہیں تو آبادکار مدافعتی انداز کو برقرار رکھتے ہوئے تلخی کے ساتھ اس خواہش کو جانچ لیتا ہے یہ لوگ ہماری جگہ لینا چاہتے ہیں اور یہ حقیقت ہے اس لئے کہ کوئی مقامی باشندہ ایسا نہیں ہے جو دن میں کم از کم ایک بار نوآبادکار کا مقام حاصل کرنے کا خواب نہ دیکھتا ہو. اچھوت کے مطابق باکھا کی خواہش کچھ اس طرح سے تھی

"باکھا ہندستانی پن کے ہر حقیر دھبے سے بچتا تھا. حتیٰ کہ بھدی شکل کے ہندوستانی لحاف کو بھی نہیں اوڑھتا تھا حالانکہ وہ رات کو ٹھنڈ سے کانپتا رہتا تھا"(31)"

نوآبادیاتی باشندے کی ہر ممکن کوشش ہوتی ہے کہ اس کا حلیہ نوآبادکار جیسا ہو وہ اپنا ہر کام اسی چیز کو مدنظر رکھتے ہوئے کرتا ہے۔ البرٹ میمی کے مطابق

"The first attempt of the colonized is to change his condition by changing his skin. There is a tempting model very close at hand. The colonizer- The latter suffer from none of his deficiencies، has all rights enjoy every possession and benefits from every prestige. He is, moreover, the other past of the comparison, the one that crushes the colonized and keeps him in servitude. The First ambition of the colonized is to become equal to that splendid model and to re-simple him to the point of disappearing in him (32)

حوالہ جات

1. شفیع احمد صدیقی "اردو زبان قواعد" حصہ اول مکتبہ جامعہ لمیٹیڈ، جامعہ نگر نئی، دہلی 1991, ص،09

2۔ خلیل صدیقی "زبان کیا ہے" شوبی آفیسٹ پریس دیوگنج، نئی دہلی 1994, ص،9تا10

3۔آزاد حسین "سخندان فارس "اترپردیش اردو اکادمی لکھنؤ،1979, ص،06

.4- خلیل صدیقی "زبان کیا ہے"، ص،10

5۔ خلیل احمد بیگ "اردو زبان کی تاریخ" طبع اول، ایجوکیشنل بک ہاؤس علی گڑھ،1995, ص,17

6۔ فاروقی شمس الرحمن "اردو کا ابتدائی زمانہ" مدینہ سٹی مال، عبداللہ ہارون روڈ، صدر، کراچی،2009، ص،12

7۔ ایضاً، ص،9تا12

8- سلیمان ندوی سید، "نقوشِ سلیمانی" اُردو اکیڈمی، سندھ، لاہور،1967, ص،07

9- زہرا بیگم، سیدہ(مؤلف) "مختصر تاریخ اردو ادب اور اصنافِ شاعری" باراول، الاکرم گرافکس، حیدرآباد،2005، ص،23

10- مجنوں گورکھپوری "ادب اور زندگی" اردوگھر، علی گڑھ،1984، ص،47

11- زہرا بیگم، سیدہ(مؤلف) "مختصر تاریخ اردو ادب اور اصنافِ شاعری" ص24

12- صدیقی، عبدالحمید "مکالے کا نظریہ تعلیم"، روہیل کھنڈ لٹریری، سوسائٹی، کراچی، ص 69

13- فرمان فتح پوری، ڈاکٹر، "ہندی اردو تنازعہ "نیشنل بک فاؤنڈیشن، کراچی 1977، ص8

14۔ احمد دین "سرگزشت الفاظ" شیخ مبارک علی تاجر کتب، لاہور،1932 ص08

15۔ محمد اسماعیل پانی پتی، مولانا"مقالات سر سید"حصہ دہم، مجلس ترقی ادب، لاہور، 1963ص،06
16۔ گریرسن، جان رچرڈ، "تاریخ اہل ہندوستان"، مترجم قاضی حسین، جلد02 جامعہ عثمانیہ، حیدت اباد دکن، 1921، ص06
17۔ ایضاً
18۔ صدیقی، عبدالحمید، "میکالے کا نظریہ تعلیم "ص52
19۔ ہاشمی، طارق محمود مضمون "اردو زبان، روایات اور لسانی استعماریت مشمولہ، "بنیاد" جلد09، 201ئ لاہور ص92
20۔ سلیمان ندوی، نقوش سلیمانی، ص17
21۔ عبدالحق، مولوی، مرتبہ، "قواعدِاُردو"انجمن ترقی اردو، نئی دہلی 2007، ص16
22۔ محمد افضل الدین اقبال، ڈاکٹر، "ایسٹ انڈیا کمپنی علمی ادارے"عثمانیہ یونیورسٹی، حیدر آباد2002، ص26
23۔ سدالرحمن قدوائی"Gilchrist and language of Hindustan" 22، انیس چشتی، نئی دہلی 1972ص،32
24۔ ایضاً، 23
25۔ فرانز فینن "افتادگان خاک"مترجم، محمد پرویز، سجاد باقر رضوی، فکشن ہاؤس، لاہور1969، ص26
26۔ ایضاً
27۔ ناصر عباس نیر، ڈاکٹر"زبان نو آبادیاتی سیاق اور لسانی استعماریت"http/lib.bazmeurdu.net
28۔ قمر جمیل "جدید ادب کی سرحدیں"مکتبہ دریافت قمر پلازہ گلشن اقبال کراچی، جلد اول، ص44
29۔ فرانز فینن، "افتادگان خاک"مترجم محمد پرویز، سجاد باقر رضوی, ص27تا28
30۔ راج آنند، ملک"اچھوت"ساہتیہ اکادمی 1990، ص13
31۔ ایضاً
32۔ البرٹ میمی، The Colonized and colonized، ص،164